(۲۸)

سچے ہوکر جھوٹے کی طرح تذلّل کرو

(فرمودہ ۲۹۔نومبر ۱۹۲۹ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر اختلاف پیدا کیا ہے کہ درحقیقت کوئی دو چیزیں بھی آپس میں نہیں ملتیں۔

ہر ایک چیز دوسری سے مختلف ہے حتیٰ کہ خاوند اور بیوی، باپ اور بیٹا، ماں اور بیٹی کا بھی آپس میں اختلاف ہے اور ایسے ایسے اختلاف نظر آتے ہیں کہ جنہیں کسی حد بندی میں لانا بالکل ناممکن ہے۔ کیا بلحاظ میلاناتِ طبع، کیا بلحاظ جذبات، کیا بلحاظ قابلیتوں کے، کیا بلحاظ طاقتوں کے اور کیا بلحاظ عقل کے بہت بڑا فرق آپس میں پایا جاتا ہے۔ پس اس اختلاف کے باوجود یہ امید رکھنی کہ کسی کو کسی بات میں اختلاف نہ ہو عقل کے خلاف ہے اور ناممکن ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسانی طبائع مختلف بنائی ہیں تو یہ امید کیونکر کی جاسکتی ہے کہ سب ایک ہی رنگ میں رنگین ہو جائیں سب ایک ہی مقصد کے پیچھے ایک ہی طرح چل پڑیں اور خیالات اور اعمال کے لحاظ سے بالکل ایک ہو جائیں۔ یہ بالکل ناممکن ہے مگر بعض چیزوں میں خدا تعالیٰ نے اتحاد بھی رکھا ہے جس اتحاد کی وجہ سے ہم مختلف چیزوں کو علیحدہ علیحدہ کر لیتے ہیں۔ مثلاً گھوڑے کا بھی منہ، ناک، کان، آنکھیں ہوتی ہیں اور انسان کا بھی منہ، ناک، کان، آنکھیں ہوتی ہیں مگر باوجود اس کے کہ انسانوں کے ناک اور کانوں وغیرہ میں ایک دوسرے سے اختلاف ہوتا ہے اور کوئی دو انسانوں کے ناک کان آپس میں نہیں ملتے، حتّٰی کہ توام پیدا ہونے والے بچوں کے جو ظاہری طور پر بالکل

ایک سے ہوتے ہیں خوردبین کے ذریعہ ان میں بھی اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ تمام انسانوں کی شکلوں میں اختلاف ہوتا ہے ہم دیکھتے ہی کہہ دیتے ہیں یہ انسان ہے اور یہ گھوڑا ہے۔ کیونکہ انسان اور گھوڑے اپنی اپنی نوع کے ساتھ خاص اشکال میں متحد ہوتے ہیں تو اختلاف کے باوجود اتحاد بھی ہم کو نظر آتا ہے۔ جس طرح ظاہری شکلوں میں اختلاف ہوتا ہے اور اتحاد بھی اسی طرح اخلاق میں اختلاف بھی ہوتا ہے اور اتحاد بھی۔ مثلاً بیسیوں باتیں ایسی ہیں جو انسان نہیں کرسکتا اور ان کا کرنا اس کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔ اسے لاکھ سمجھائیں کہ فلاں کام کرلو لیکن اسے ماننے کے باوجود اس کے لئے کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ ایک کمزور آدمی جس میں دس سیر بوجھ اٹھانے کی طاقت ہے ایک من نہیں اٹھاسکے گا۔ لیکن بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا کرنا انسان کے لئے ناممکن نہیں ہوتا۔ مثلاً نماز پڑھنا ہے یہ ہوسکتا ہے کہ ایک انسان کھڑا ہوکر نماز ادا نہ کر سکے لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ نماز پڑھ ہی نہ سکے کیونکہ نماز ادا کرنے کے لئے بہت سی سہولتیں ہیں جو کھڑا ہوکر ادا نہیں کرسکتا بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اور جو بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکے وہ لیٹ کر پڑھ سکتا ہے۔ پھر لیٹنے کی بھی کوئی خاص شکل قائم کرنا ضروری نہیں جس طرح ہو سکے ادا کرسکتا ہے اس لئے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ نماز پڑھ ہی نہیں سکتا اور کوئی عقلمند یہ بات تسلیم نہیں کرسکتا کہ کسی کے لئے نماز پڑھنا ناممکن ہے۔ پس جس طرح بعض کاموں کا کرنا واقعی ناممکن ہوتا ہے اسی طرح بعض کے متعلق یہ کہنا کہ میں نہیں کرسکتا ناممکن ہے۔ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ دس سیر بوجھ اُٹھانے کی طاقت رکھنے والا ایک من بوجھ اُٹھالے اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نماز پڑھ ہی نہیں سکتا سوائے پاگل یا بے ہوش کے' باقی سب لوگ نماز پڑھنے کی کسی نہ کسی صورت پر عمل کرسکتے ہیں۔ تو انسان کے اندر بعض باتوں میں اتحاد ہوتا ہے اور بعض میں اختلاف' اور بعض باتیں جن میں اتحاد ہے اور جن کے کرنے پر انسان قادر ہے ان میں شریعت امید رکھتی ہے کہ انسان کو اگر اپنے نفس پر جبر کرکے انہیں کرنا پڑے تو بھی کرے۔ اگر واقعی کوئی شخص جھوٹ کو بُرا سمجھتا ہے مگر بعض اوقات عادت کے ماتحت جھوٹ بول لیتا ہے اور بعد میں احساس پر اظہارِ ندامت کرتا ہے یا بعض کی طبائع میں خشونت ہوتی ہے اور کسی وقت وہ خفگی اور سختی کا اظہار کردیتے ہیں لیکن بعد میں انہیں اپنی سختی پر افسوس ضرور ہوتا ہے اور وہ اس سے جو نقصان ہوا اُس کا ازالہ کرنے کی فکر کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور ان کی توبہ

قبول بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن جو شخص جھوٹ بولے یا بے جا تشدد اور سختی کرے اور پھر اس پر ندامت نہ محسوس کرے اس سے جو نقصان ہو اس کے ازالہ کی بھی کوشش نہ کرے اور پھر یہ بھی کہے کہ میں نے جو راستہ اختیار کیا وہ صحیح ہے اور اس کے بغیر گذارہ ہی نہیں ہو سکتا تو وہ سمجھ لے کہ وہ صحیح راستہ پر نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص کسی خاص جوش یا غصہ کے ماتحت ایک فعل کر دے لیکن بعد میں ہوش آ جانے پر اپنے اس فعل پر نادم ہو اور اس کے ازالہ کی کوشش کرے تو ایسا شخص خدا کی مغفرت کا امیدوار ہو سکتا ہے۔ لیکن جو شخص ہوش آ جانے پر بھی ندامت اور افسوس نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا۔

میں نے بہت دفعہ سمجھایا ہے کہ ہماری جماعت کے ہر فرد کو انسانیت کا معیار بنا چاہئے۔ بے شک ہمارے اندر بھی جذبات ہیں' ہمیں بھی غصہ آ سکتا ہے لیکن ضروری ہے کہ ہم اپنے جذبات کو قابو میں رکھیں اور اللہ تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت انہیں صَرف کریں۔ اور اگر کبھی کوئی شخص ان سے مغلوب بھی ہو جائے تو اسے چاہئے کہ جلد از جلد ہوش میں آ کر اس پر اظہارِ ندامت و افسوس کرے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگ بعض اوقات جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتے اور پھر بعض فخر کرتے اور کہتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ درست ہے اور ایسا ہی کرنا ضروری تھا اس کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ان کی یہ بات صحیح مان لی جائے تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ وہ مذہب جھوٹا ہے جسے وہ مانتے ہیں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ کہہ دیں کہ مذہب کا فلاں حکم ایسا ہے کہ جس پر ہم سے عمل نہیں ہو سکا لیکن یہ کہنا کہ اس پر عمل ہو ہی نہیں سکتا اور اسے توڑنے کے بغیر گذارہ ہی نہیں ان کے مذہب کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔

ایک مسلمان تاجر اگر سود لیتا ہے لیکن وہ تسلیم کرتا ہے کہ غلطی کر رہا ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ مذہب کو جھوٹا نہیں قرار دیتا بلکہ اپنے آپ کو جھوٹا سمجھتا ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ سود ضروری ہے اس کے بغیر گذارہ ہو ہی نہیں سکتا تو اس کے معنی یہی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو سچا ثابت کرتا ہے اور اسلام کو جھوٹا قرار دیتا ہے جس نے سود لینے اور دینے سے منع کیا ہے۔ گویا ایک ہی چیز دو مختلف نقطہ ہائے نگاہ کی وجہ سے بدل جاتی ہے۔ ایک کے لحاظ سے انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور دوسرے نقطۂ خیال کے لحاظ سے اس کے لئے توبہ کا دروازہ کُھلا رہتا ہے۔

پس دوستوں کو چاہئے کہ سب معاملات میں اول تو اسلام کے مطابق عمل کریں اور اسے

اپنے لئے نہایت ضروری سمجھیں۔ لیکن اگر کسی وقت کوئی ناروا حرکت کر بیٹھے تو اسے چاہئے کہ جذبات سے تعلق رکھنے والے معاملات میں جلدی پشیمان ہو اور دل میں محسوس کرے کہ اس نے بہت بُرا کیا ہے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس کے لئے توبہ کا دروازہ کُھلا رہتا ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متواتر فرمایا ہے کہ جذبات کو اپنے قابو میں رکھنا چاہئے پھر بھی میں دیکھتا ہوں بعض لوگ جو دوسروں کو تو آپ کی باتیں سناتے ہیں اور جذبات کو قابو میں رکھنے کی تلقین کرتے ہیں خود اس بات کو بھلا دیتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلّل اختیار کرو۔ بلکہ بعض تو جھوٹے ہو کر سچے اور ظالم ہو کر اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں پھر کس طرح سمجھا جائے کہ ان میں ایمان کا ذرہ بھی باقی ہے کیونکہ اگر ایمان ہوتا تو ہوش میں آنے پر وہ اس ظلم کا ازالہ کرتے جو اُن سے سرزد ہوا اور اگر ایسا نہ کر سکتے تھے تو کم از کم اپنے اندر ندامت ہی محسوس کرتے۔ لیکن اگر وہ ظلم کے ارتکاب سے بچ نہیں سکتے اور اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتے پھر جوش کے وقت کے گذر جانے پر ازالہ کی کوشش نہیں کرتے اور نہ ندامت محسوس کرتے ہیں بلکہ اگر سارے حالات گذر جاتے ہیں اور ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کا ایمان دکھاوے کا ہے۔ وہ بلبلہ کی طرح ہے جس کے اوپر پانی اور اندر صرف ہوا ہے کیونکہ اگر اندر بھی پانی ہوتا تو وہ پانی کی سی کیفیت اختیار کرتا۔

میں دوستوں سے پوچھتا ہوں وہ سوچیں کتنی دفعہ ان پر ظلم ہوتا ہے جسے وہ برداشت کرتے ہیں۔ برداشت اسے نہیں کہتے کہ کسی طاقتور نے گردن پکڑی ہو اور اپنے اندر اس کے مقابلہ کی طاقت نہ ہو تو کہہ دیا جائے کہ ہم برداشت کر رہے ہیں۔ بلکہ برداشت یہ ہے کہ انسان سزا دے سکے اور پھر نہ دے۔ سوائے اس کے کہ شریعت یا انتظام نے تعزیر کا کام اس کے سپرد کیا ہو۔ جیسے ماں، باپ، استاد، والی، قاضی یا حاکم ہوتے ہیں۔ ان حالات میں اخلاقاً ان کا حق ہے کہ ایک دائرہ کے اندر تعزیر سے کام لیں۔ لیکن اس سے باہر جہاں قضاء یا ولایت یا تنظیم کا کوئی تعلق نہیں مثلاً اپنے معاملات میں اگر کوئی دست درازی کرتا ہے اور ظلم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ وہ شریعت کا احترام نہیں کرتا۔ پس میں پھر ایک دفعہ دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ آپ لوگ اس شخص کے متبع ہیں جس کا نام مسیح ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض دفعہ ایک چھوٹی چیز کو بڑی

اور بڑی کو چھوٹی سے تشبیہہ دے دی جاتی ہے لیکن یہ کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی مشابہت ہی نہ ہو اور یونہی تشبیہہ دے دی جائے۔ دیکھو ایک انسان جس کے نہ تو دُم ہی ہوتی ہے اور نہ ویسا منہ اور سر ہوتا ہے جیسا کہ شیر کا ہوتا ہے لیکن بہادری کی وجہ سے اسے شیر کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان نہ ننگا پھرتا ہے نہ گھاس کھاتا ہے نہ اس کے لمبے لمبے کان ہوتے ہیں لیکن اسے گدھا کہہ دیتے ہیں اور یہ اُسی وقت کہتے ہیں جب اس سے بے وقوفی سرزد ہو۔ تو مجاز اور استعارہ کا استعمال کسی مشابہت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے جب تک ایسا نہ ہو اس کا استعمال نہیں ہو سکتا۔ پس سوچنا چاہئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو مسیح کہا گیا تو کیوں کہا گیا؟ وہ کونسی چیز ہے جو حضرت مسیح کو دوسرے انبیاء سے ممتاز کرتی ہے وہ وہی چیز ہو سکتی ہے جو اگرچہ دوسرے انبیاء میں پائی جائے مگر اس میں زیادہ نمایاں حیثیت میں نظر آتی ہو اور مسیح کے لئے جو چیز خاص ہے وہی مسیح موعود علیہ السلام کے لئے وجہ تشبیہہ ہو سکتی ہے۔ یوں تو سارے انبیاء ہی راستباز تھے اور حضرت مسیح بھی راستباز تھے مگر راستبازی کی وجہ سے کسی اور کو مسیح نہیں کہا جا سکتا۔ اس طرح سارے ہی انبیاء ملہم بھی تھے مگر الہام کی وجہ سے کسی کو موسیٰ نہیں کہا جا سکتا۔ جب کسی کو موسیٰ کہا جائے گا تو اس کے یہی معنے ہونگے کہ اس میں وہ خوبی ہے جو حضرت موسیٰ کو دوسرے انبیاء سے خاص طور پر ممتاز کرتی ہے۔ اسی طرح جب کسی کو محمد (ﷺ) کہا جائے گا تو اس کے معنی ہوں گے کہ اس میں وہ خاص وصف نمایاں ہے جو اگرچہ دیگر انبیاء میں بھی ہے لیکن محمد ﷺ میں ممتاز طور پر نظر آتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی خصوصیت وہ نرمی کی تعلیم ہے جو آپ نے پیش کی اور بائبل سے تو یہاں تک ظاہر ہے کہ حضرت مسیح فرماتے ہیں:

> ”شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا اُگرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے۔ اس کے ساتھ دو کوس چلا جا“[1]

اگرچہ سارے ہی انبیاء نے نرمی کی تعلیم دی ہے لیکن حضرت مسیح نے اپنے زمانہ کے حالات کو دیکھ کر اس بات پر بہت زور دیا ہے۔ یہ ہی خاص بات ہے جو ان میں پائی جاتی ہے اور جب خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مسیح رکھا تو اس کے یہ معنے ہیں کہ آپ کو

بھی خاص طور پر نرمی کی تعلیم دینے کا حکم دیا گیا ہے اگرچہ آپ کا نام مسیح رکھنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ عیسائیوں کی ہدایت کے لئے آئے اور اس لحاظ سے بھی مسیح کہلائے۔ مگر یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ہندوؤں کی طرف مبعوث ہونے کی وجہ سے آپ کو کرشن کا نام دیا گیا یا تمام اقوام عالم کی طرف بھیجے جانے کی وجہ سے محمدؐ کا نام دیا گیا لیکن مسیح کے نام پر خاص زور ہے تا کہ آپ سختی کو دور کریں۔ اسی لئے آپ نے یہ تعلیم دی۔

''خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے۔ اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلّل کرو تا تم بخشے جاؤ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔''[۲]

اب اگر ہم اس خصوصیت کو مدنظر نہ رکھیں تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ ہم دنیا کو دھوکا دیتے ہیں جب خود اس تعلیم پر عمل نہیں کرتے تو کسی کو اس طرف بلانے کا ہمیں کیا حق ہے۔ پس میں پھر ایک دفعہ جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس معاملہ میں بہت اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایسا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہئے کہ لوگ سمجھیں ہم نے اپنے جذبات پر پورا پورا قابو پا لیا ہے۔ سوچنا چاہئے کیا سارے ہندو' سارے عیسائی' سارے سکھ آپس میں لڑتے رہتے ہیں؟ نہیں۔ ان میں بھی اگر بعض لڑنے والے ہیں تو بعض صلح جو بھی ہیں۔ پس اگر ہمارا بھی یہی حال ہوا کہ ہم میں بھی بعض جھگڑا فساد کرنے والے اور بعض صلح پسند ہوں تو دوسروں سے ہمیں امتیاز کیا ہوا۔ امتیاز تو جب ہی ہو سکتا ہے کہ یا تو ہم میں سے جھگڑے فساد کی عادت بالکل مٹ جائے یا پھر ایسی خفیف رہ جائے کہ کبھی نظر نہ آئے اور اگر کوئی ایسا آدمی ہو جو ایسی حرکت کا ارتکاب کرے تو جماعت محسوس کرے کہ یہ کالی بھیڑ ہے جس نے ہمیں بدنام کیا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے اگر کسی بدی کو دیکھو اور طاقت ہو تو اسے ہاتھ سے مٹا دو اگر ہاتھ سے نہ مٹا سکو تو زبان سے روکو' اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں بُرا مناؤ[۳] کہتے ہیں ایک بزرگ نے ایک شخص کو سارنگی بجاتے

دیکھا تو اس کی سارنگی توڑ دی۔ وہ شخص بادشاہ کا درباری تھا اس نے بادشاہ سے شکایت کی۔ بادشاہ نے بزرگ کو بلایا۔ اوران کے سامنے خود سارنگی بجانے لگا آپ خاموش بیٹھے رہے۔ اس نے پوچھا دیکھا میں کیا کر رہا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں دیکھا آپ سارنگی بجار ہے تھے۔ بادشاہ نے کہا تم نے فلاں شخص کی سارنگی توڑ دی تھی۔ انہوں نے کہا ہاں اس لئے کہ رسول کریم ﷺ کا حکم ہے کہ اگر کسی بدی کو ہاتھ سے مٹانے کی طاقت ہو تو اسے ہاتھ سے مٹا دو۔ اس نے کہا میں بھی تو سارنگی بجار ہا تھا اسے کیوں نہیں توڑا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی حکم ہے کہ ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکو اور یہ بھی نہ ہو تو دل میں ہی بُرا مناؤ۔ سو میں نے دل میں بہت بُرا منایا اور یہ ادنیٰ ایمان ہے کہ انسان بدی کو دل میں بُرا سمجھے اور جو ظلم ہوتا دیکھتا ہے اور دل میں بھی بُرا نہیں مانتا تو وہ شریعت کا مُجرم ہے اور خود بھی ایسا ہی ظالم ہے جیسا ظلم کرنے والا۔ یہ طریق ہے جو ہماری جماعت کو اختیار کرنا چاہئے۔ عفو، نرمی، درگذر اور محبت سے کام لینا چاہئے۔ اور اگر کسی کو ظلم کرتا دیکھیں تو محسوس کریں کہ اس نے اس مظلوم پر حملہ نہیں کیا بلکہ ہم سب پر حملہ کیا ہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر حملہ کیا ہے کیونکہ جس غرض کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے اس کی اس نے تحقیر کی ہے اسے توڑ دیا ہے۔ پس اگر طاقت ہو تو ہاتھ سے اسے روکیں ورنہ زبان سے ہی سہی اور اگر یہ بھی نہ ہو تو کم از کم دل میں بُرا منائیں۔ اور جس شخص کے اندر یہ بات بھی پیدا نہ ہو سکے وہ جائے اور خدا کے ہاں روئے کہ اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔

ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پہلے ماننے والے ہیں۔ ہمیں ایسا نمونہ پیش کرنا چاہئے کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والے لوگوں میں بھی اسی طرح لڑائیاں، جنگیں اور جھگڑے ہیں جس طرح اوروں میں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اس برگزیدہ کیلئے بدنامی کا موجب نہ بنائے جو دنیا کی اصلاح کیلئے آیا۔ آمین

(الفضل ۶۔ دسمبر ۱۹۲۹ء)

۱؎ متی باب ۵ آیت ۳۹ تا ۴۱ پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور مطبوعہ ۱۹۹۴ء

۲؎ کشتی نوح صفحہ ۱۲ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۴

۳؎ مسلم کتاب الایمان باب کون النھی عن المنکر من الایمان و ان الایمان یزید وینقص